آپ کی مُسلسل فرمائش پر جبران کا تازہ
کارنامہ پیشِ خدمت ہے۔ اس بار ایک بہت
چالاک مُجرم سے جبران کا واسطہ پڑا
ہے۔ اسے گھیرنے کے لیے جبران کو اپنی نیک نامی
داؤ پر لگانا پڑی تھی۔ اس ماہ کے لیے سرورق کی دُوسری کہانی

اثر نعمانی
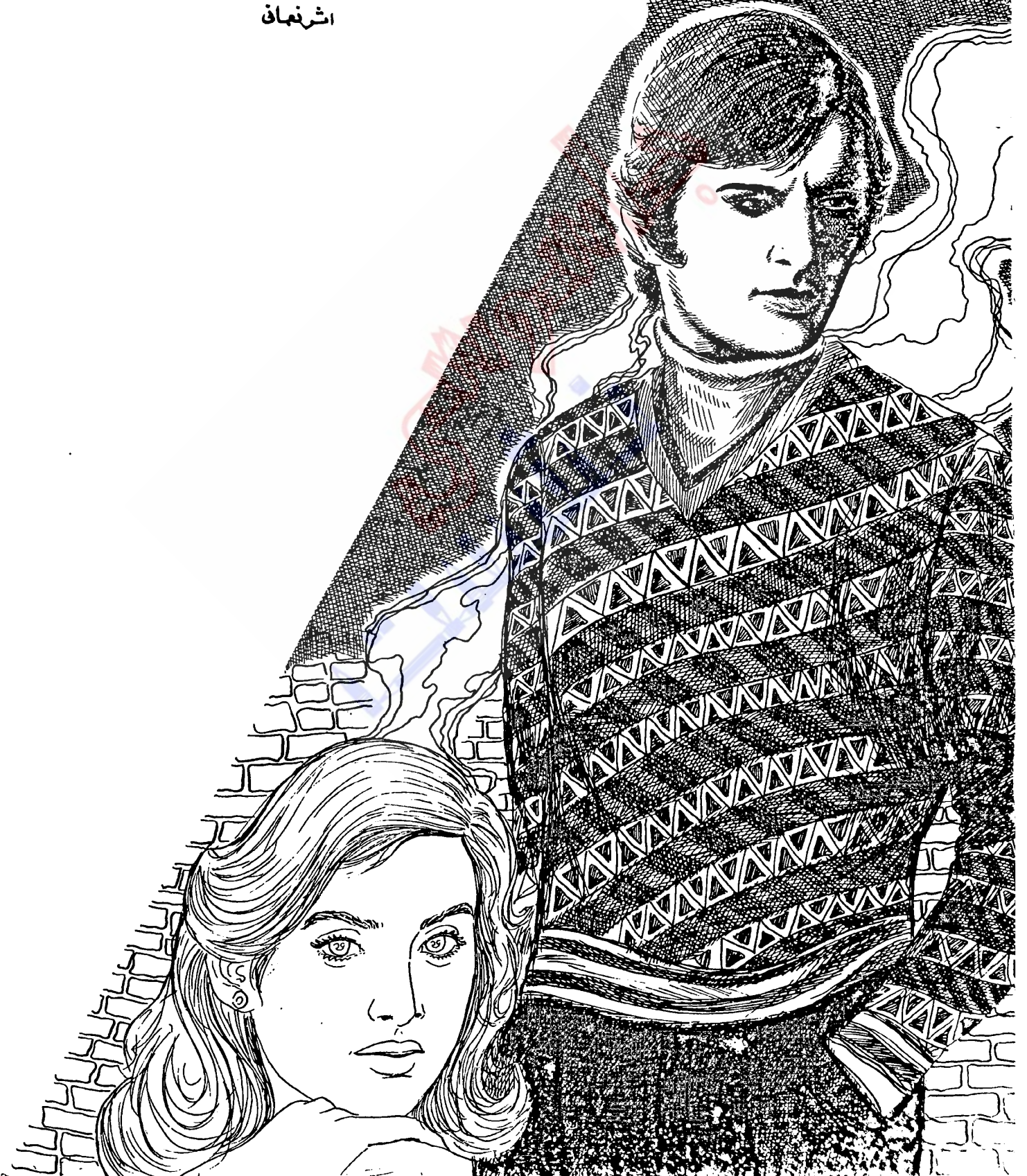
رات کا پچھلا پہر تھا۔ دارالحکومت دولت آباد کے شمال میں تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر واقع پہاڑی سلسلے کے دامن میں پوری وادی گہرے کہر اور دھند میں لپٹی ہوئی تھی۔ مٹی زرخیز تھی اور کسان دورِ جدید کی مشینی زراعت کے طور طریقوں سے واقف ہو چکے تھے اس لیے جگہ جگہ چھوٹے بڑے زرعی فارم قائم تھے۔ قرب و جوار میں خام مال کی وافر موجودگی کے باعث کچھ چھوٹی بڑی ملیں اور فیکٹریاں بھی کام کرتی تھیں۔ اس وقت جبکہ رات کے تقریباً دو بج رہے تھے، چاروں طرف تاریکی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ نوجوان رحمت بھی کھلیان کے قریب اپنی چھوٹی سی جھونپڑی میں گرم اور آرام دہ بستر پر نوخیز جوانی کے حسین خوابوں میں کھویا ہوا تھا۔

اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ چند لمحوں تک وہ کچھ حیران سا سوچتا رہا کہ اس وقت نیند ٹوٹنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ نہ تو

پیاس ہی لگی تھی نہ کوئی اور حاجت محسوس ہو رہی تھی مگر پھر اس کے کانوں میں ایک ہلکی مگر گونجتی ہوئی آواز آئی۔ اس نے سرہانے رکھی ہوئی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ جھونپڑی میں لالٹین روشن تھی۔ اور وہ اس کی روشنی میں سوئیاں اور ہندسے بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ نہیں، اس نے سوچا۔ یہ اس ہوائی جہاز کی آواز نہیں ہو سکتی جو روزانہ چار ساڑھے چار بجے صبح کے درمیان اس طرف سے گزرتا تھا، یہ قریبی فیکٹری کی سیٹی بھی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ بھی علی الصبح ہی مزدوروں، کسانوں کو جگانے کے لیے بجائی جاتی تھی۔ اس نے کان لگا کر غور سے سنا۔ بلاشبہ یہ کسی ہوائی جہاز ہی کی آواز تھی مگر رات کے اس حصے میں کوئی بھی جہاز اس علاقہ پر پرواز کیوں کر رہا ہے یہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر آواز بھی اتنے قریب معلوم ہوتی تھی جیسے وہ زمین سے بہت قریب اُڑ رہا ہو۔

رحمت کچھ فکر مندی کے ساتھ اپنے بستر سے اٹھا۔ قریب ہی رکھی ہوئی موٹی چادر اٹھا کر جسم کے گرد لپیٹی، لالٹین ہاتھ میں پکڑی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ بابا کو اٹھانے سے کوئی فائدہ نہیں، اس نے سوچا۔ وہ رات میں جگائے جانے پر بہت خفا ہوتے ہیں اور پھر وہ ایسی باتوں کی پروا بھی نہیں کرتے۔ وہ یہ ہی کہہ دیں گے کہ اگر کوئی جہاز اُڑ بھی رہا ہے تو مجھے یا تمہیں اس سے کیا؟ نہیں، اسے خود ہی دیکھنا پڑے گا کہ یہ کیا معاملہ ہے!

لالٹین ہاتھ میں اٹھائے ہوشیاری سے قدم بڑھاتے ہوئے وہ آواز کی جانب چلنے لگا جو مغرب کی سمت سے آتی معلوم ہوتی تھی۔ ہر قدم کے ساتھ آواز بڑھتی جا رہی تھی۔ اب رحمت کو اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ یہ کسی ہوائی جہاز ہی کی آواز ہے۔ تین چار فرلانگ چلنے کے بعد جب آواز اسے دفعتاً اپنے سر کے اوپر محسوس ہوئی تو اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ ایک چھوٹا سا طیارہ بڑی تیزی سے زمین کی طرف آ رہا تھا۔ بغیر کچھ سوچے سمجھے رحمت جلدی سے منہ کے بل لیٹ گیا۔ دوسرے ہی لمحے جہاز اس کے ٹھیک اوپر سے گزرتا ہوا پچاس ساٹھ گز آگے اپنی نوک کے بل کھیت کی نرم مٹی میں کافی اندر تک دھنس گیا اور ساتھ ہی ایک دھماکہ سا ہوا۔

رحمت جلدی سے اٹھا۔ وہ بال بال بچا تھا اس لیے کچھ گھبرایا اور سہما ہوا سا بھی تھا مگر نوجوان ذہن کا تجسس اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ آگے جا کر معلوم کرے کہ طیارہ کیوں گرا ہے اس کے اندر کتنے مسافر ہیں؟ ان کی کیا کیفیت ہے اور یہ کہ وہ ان کی کچھ مدد کر سکتا ہے یا نہیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ جہاز کے اندر سے کسی قسم کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

وہ ایک چھوٹا سا دو یا چار نشستوں والا کوئی پرائیویٹ ہوائی جہاز معلوم ہوتا تھا۔ رحمت کے کھلیان سے تقریباً تیس گز کے فاصلے پر وہ ایک درخت کے قریب نرم مٹی میں اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ اس کی نوک تین چوتھائی کے لگ بھگ اندر گھس گئی تھی۔ پہیئے زمین پر ٹکے ہوئے تھے اور دُم والا حصہ اوپر تقریباً پینتالیس ڈگری کے زاویہ پر اٹھا ہوا تھا۔ رحمت نے پہلے زمین پر کھڑے رہ کر اندر جھانکنے کی کوشش کی مگر اس کا دروازہ اور کھڑکیاں کافی اوپر تھیں۔ وہ درخت پر چڑھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک جانب کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ پکڑ لیا اور ہلکی سی جست مار کر اندر پہنچ گیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں لالٹین تھی۔ ہاتھ اونچا کر کے اس نے روشنی ڈالی۔

پائلٹ کی سیٹ پر کوئی جوان العمر آدمی کوٹ، پتلون پہنے بیٹھا تھا۔ بالکل بے حس و حرکت۔ رحمت سامنے کی جانب ہو کر آگے بڑھا۔ آدمی کا چہرہ قدرے لالٹین کی روشنی میں آیا۔ پہلے پہل ایسا لگا جیسے وہ مسکرا رہا ہو۔ رحمت اور قریب گیا۔ ڈرتے ڈرتے اس نے جھک کر غور سے دیکھا۔ وہ مسکراہٹ نہیں تھی کیونکہ کوئی شخص اس کیفیت میں نہیں مسکرا سکتا جبکہ اس کے سر کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ غائب ہو چکا ہو۔

رحمت نے انتہائی خوف کے عالم میں ایک چیخ ماری اور طیارے کے دروازے سے کود کر فارم ہاؤس کی طرف اندھا دھند بھاگتا چلا گیا۔

*

سہ پہر کے ساڑھے چار بجے تھے۔ جبران اپنے کمرے میں چائے پینے کے بعد اپنی کیس بُک میں تازہ ترین کیس کے بارے میں کچھ نوٹس دیکھ رہا تھا۔ پانچ سوا پانچ بجے اسے انسپکٹر ریاض سے اس کیس کے سلسلہ میں کچھ تبادلۂ خیالات کرنا تھا۔ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جبران نے ریسیور اٹھایا۔ میزبان ہوٹل کے ایکسچینج بورڈ کا آپریٹر حمید بات کر رہا تھا۔ "جناب ایک خاتون جو اپنا نام نگار بتا رہی ہیں آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" اس نے بتایا۔

"نگار؟" جبران نے نام دہراتے ہوئے اپنی یادداشت کو ٹٹولا۔

"جی ہاں، وہ کہتی ہیں کہ آپ ان سے واقف ہیں۔" اور جبران کو یاد آ گیا۔ نگار، مشہور اسٹیج سنگر اور آرٹسٹ ثریا کی چھوٹی بہن کا نام تھا۔ "وہ بہت گھبرائی ہوئی اور پریشان معلوم ہوتی ہیں۔" حمید نے جیسے سفارش کی۔

"ہاں، میں انہیں جانتا ہوں۔" جبران نے جواب دیا۔ "کنکشن ملا دو۔"

دوسرے لمحے وہ نگار سے بات کر رہا تھا۔ "ہیلو نگار! اچھی تو ہو۔ اور ثریا کا کیا حال ہے۔ بہت دنوں سے تمہاری خیریت معلوم نہیں ہوئی۔"

"حال بہت خراب ہے جبران صاحب!" نگار کی فکرمند آواز سنائی دی۔ "اور خیریت تو بالکل نہیں ہے۔ ایک سنگین صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے۔ ثریا باجی نے کہا ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے آپ ہمارے گھر پہنچ جائیں۔"

نگار بہت سنجیدہ اور متحمل مزاج لڑکی تھی۔ اگر وہ کسی بات سے پریشان اور فکرمند ہو سکتی ہے جیسا کہ اس کے لہجے سے ظاہر تھا تو یقیناً معاملہ کچھ سنگین ہی ہوگا۔ جبران نے سوچا مگر انسپکٹر ریاض سے ملنا بھی بہت ضروری تھا۔ "اگر تم پانچ منٹ بعد فون کرتیں تو میں جا چکا ہوتا۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے سوا پانچ بجے پولیس ہیڈکوارٹر میں انسپکٹر ریاض سے ملنا ہے۔ کام بہت ضروری ہے ورنہ میں اسے مؤخر کر دیتا۔ لیکن وہاں مجھے ایک آدھ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ میں تقریباً چھ بجے فارغ ہو کر سوا چھ بجے تک تمہارے گھر پہنچ سکتا ہوں۔ بولو کیا کہتی ہو؟"

نگار بولی تو اس کی آواز میں قدرے مایوسی کی جھلک تھی۔ "اگر کام ضروری ہے تو میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتی۔" اس نے کہا۔ "یوں بھی میرے خیال سے گھنٹے پون گھنٹے کی تاخیر سے زیادہ فرق نہیں پڑے گا لیکن پلیز جبران صاحب! ہیڈکوارٹر سے فرصت پا کر جتنی بھی جلد ممکن ہو آ جائیں۔ ہمارے گھر کا راستہ تو آپ نہیں بھولے ہوں گے۔"

"اب یہ طنز کر رہی ہو۔" جبران نے کہا۔ "تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میری زندگی کتنی مصروف گزرتی ہے۔ بہر حال اطمینان رکھو، نہ میں تمہیں بھولا ہوں، نہ تمہارے گھر کو۔ کسی سے راستہ پوچھے بغیر پہنچ جاؤں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے ذہن میں اُن دنوں کی یادیں ابھر رہی تھیں جب اس نے ثریا کو پہلی مرتبہ ایک پرائیویٹ فنکشن میں گاتے سنا تھا۔ وہ اس کی آواز اور گانے کے انداز سے بہت متاثر ہوا تھا۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ ثریا ایک بیوہ اور غریب ماں کی بیٹی ہے۔ باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ ماں کی آنکھیں خراب رہتی ہیں، وہ کوئی محنت مزدوری بھی نہیں کر سکتی۔ دنیا میں اپنا پرایا کوئی بھی نہیں ہے چنانچہ گزر اوقات انتہائی تنگ دستی کے عالم میں ہو رہی ہے۔ ثریا جوان تھی، خوبصورت تھی۔ بدنیت اور بدنظر لوگ اس کے جسم کا سودا کرنے کے لیے تیار تھے مگر شریف ماں مفلسی کے باوجود کسی سنہرے جال میں پھنسنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ جبران نے ثریا کے شوق اور اس کی فطری صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اس کا تعارف اسٹیج کے ایک سنجیدہ گروپ سے کرا دیا تھا جس میں ڈائریکٹر طارق اور اسٹوری رائٹر آفاق شامل تھے۔ ان لوگوں نے ثریا کو ضروری تربیت دی اور اس کے لیے خاص طور سے ایک میوزیکل کامیڈی ڈرامہ لکھا اور اسٹیج پر پیش کیا۔ ڈرامہ نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ ثریا کے گانے اور اداکاری کو بہت پسند کیا گیا، جس کے بعد اس گروپ نے اپنی ایک نئی تھیٹریکل کمپنی بنائی۔ اس کمپنی نے یکے بعد دیگرے کئی کامیاب ڈرامے پیش کیے۔ ثریا نے ملک گیر شہرت حاصل کر لی۔ اسے تھیٹر، فلم اور ٹی وی کی جانب سے بڑے بڑے آفر ملنے لگے۔ ثریا نے فلم والوں سے معذرت کر لی کہ فلموں میں کام کرنا اسے پسند نہیں، مگر ٹی وی اسکرین پر کئی مرتبہ جلوہ گر ہوئی اور وہاں بھی اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ بڑی کامیابی کے ساتھ کیا۔ تقریباً ایک سال بعد ثریا نے ڈائریکٹر طارق سے شادی کر لی اور صرف مخصوص ڈراموں میں آتی رہی۔ ثریا پر شہرت اور دولت کی بارش ہونے لگی۔ ڈائریکٹر طارق نے صرف دولت آباد میں ہی نہیں بلکہ ملک کے کئی دوسرے اہم شہروں میں اپنے ڈرامے دکھائے اور ہر جگہ کامیابی حاصل کی۔ یہ کمپنی بیرونِ ملک جزیرۂ فردوس بھی گئی اور وہاں بھی نمایاں طور پر کامیاب رہی۔ اب اس بات کو تین چار سال گزر چکے تھے۔

اپنی ٹویوٹا کار میں پولیس ہیڈکوارٹر جاتے ہوئے بھی جبران ثریا کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ اسے ایک طرح کا تجسس پیدا ہو گیا تھا کہ اتنی کامیاب اور عیش و آرام کی زندگی گزارنے والی فن کارہ کو ایسی کیا پریشانی پیش آ سکتی ہے کہ وہ اس کی مدد کی ضرورت محسوس کرے۔ مگر ظاہر تھا کہ اس سوال کا جواب صرف ثریا ہی دے سکتی تھی۔

پولیس ہیڈکوارٹر میں انسپکٹر ریاض سے جبران کی ملاقات اور گفتگو حسبِ توقع بہت کامیاب رہی۔ ریاض ان چند پولیس افسران میں شامل تھا جو جبران کی صلاحیتوں کے دل سے معترف تھے، جرائم اور جرم پیشہ افراد کے خلاف اس کی جدوجہد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس سے پیشہ ورانہ رقابت رکھنے کے بجائے ضرورت پڑنے پر اس کی مدد سے فائدہ بھی اٹھاتے تھے اور خود اس سے بھی تعاون کرنے کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ اپنی گفتگو ختم کرنے کے بعد جبران نے برسبیل تذکرہ ریاض کو ثریا کے بارے میں بتایا اور اس سے پوچھا بھی کہ اس کے علم میں کوئی ایسی اطلاع تو نہیں ہے کہ طارق، آفاق اور ثریا کا مشترکہ ادارہ

فنکار پروڈکشنز کسی طرح کی پریشانی میں مبتلا ہو۔ مگر ریاض کو بھی اس سلسلے میں کسی قسم کے غیر معمولی حالات کا علم نہیں تھا، سوائے اس کے کہ آج کل اس ادارہ کا ایک ڈرامہ جزیرۂ فردوس میں دکھایا جا رہا ہے اور پورا یونٹ سوائے ثریا کے (کہ اس ڈرامے میں ثریا کا کوئی کردار نہیں تھا) جزیرۂ فردوس گیا ہوا ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ خبر بھی اسے ایک فلمی اخبار سے ملی تھی۔ ورنہ وہ ذاتی طور پر ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا جبران نے ریاض کو یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اس سے رخصت ہو کر ثریا کے بنگلے واقع سمن آباد جا رہا ہے۔

گھنٹی بجانے پر کسی ملازم یا ملازمہ کے بجائے خود نگار نے ہی جبران کا استقبال کیا۔ اسے بتایا کہ گزشتہ ایک گھنٹے میں برقی گھنٹی تین مرتبہ بجائی گئی ہے اور جبران کی آمد کی توقع میں ہر بار وہ ہی دوڑی آتی رہی ہے۔ وہ جبران کو بنگلے کے رہائشی کمرے میں لے گئی۔ کمرے کو بڑی خوبصورتی اور نفاست کے ساتھ قیمتی فرنیچر اور مختلف قسم کی آرائشی چیزوں سے سجایا گیا تھا۔ سامنے دیوار پر ثریا کی ایک فل سائز تصویر آویزاں تھی اور کمرے کی زینت میں اضافہ کر رہی تھی۔ تصویر میں ثریا بڑی حسین، خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی مگر یہ صرف تصویر کی حد تک تھا۔ کمرے میں موجود خود صاحبِ تصویر کی کیفیت اس سے بالکل جدا تھی۔ ثریا ایک سادہ سا قمیص شلوار کا سوٹ پہنے ہوئے کہانی نویس آفاق سے باتیں کر رہی تھی۔ جبران کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ ہونٹوں پر ایک استقبالیہ مسکراہٹ پیدا کرنے کی کوشش کی مگر زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔ دوسری طرف آفاق بھی کچھ فکرمند اور کچھ ناراض سا معلوم ہو رہا تھا۔

"اتنے دنوں کے بعد آپ سے دوبارہ مل کر بڑی خوشی ہو رہی ہے جبران صاحب!" ثریا نے کہا۔ "آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"میں تو بالکل ٹھیک اور خیریت سے ہوں۔" جبران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تم اپنی سناؤ، آخر ایسی کیا پریشانی پیش آ گئی کہ تمہیں میری ضرورت محسوس ہوئی؟"

آفاق نے اٹھنے کی ضرورت نہیں سمجھی بس وہیں سے بیٹھے بیٹھے ہاتھ ہلا دیا۔ جواب میں جبران نے بھی ہاتھ ہلانے کے علاوہ مزید کسی گرمجوشی کا اظہار نہیں کیا۔ اسے آفاق کی سرد مہری کچھ ناگوار سی لگی تھی مگر اس نے اس بات کا کچھ زیادہ خیال نہیں کیا اور دوبارہ ثریا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ثریا اسے ہاتھ پکڑ کر صوفے کی طرف لے گئی جہاں دونوں ایک ساتھ بیٹھ گئے۔

"نگار بتا رہی تھی کہ آپ کسی کیس پر کام کر رہے ہیں جس کے سلسلہ میں انسپکٹر ریاض سے ملنا ضروری تھا۔" ثریا نے کہا۔ "بہرحال میں آپ کی ممنون ہوں کہ آپ نے یہاں تک آنے کی زحمت کی۔" وہ اتنا کہہ کر کچھ رکی۔ جبران متوقع انداز میں خاموش بیٹھا رہا۔ ثریا نے ایک گہری سانس لی اور پھر بولی۔ "میں ایک بڑی پریشانی میں پھنس گئی ہوں جبران صاحب اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ۔۔۔" باتیں کرتے کرتے اس نے آفاق کی طرف دیکھا اور ایک دم خاموش ہو گئی۔

"کیا بات ہے ثریا؟" جبران نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"طارق صاحب کو میرے اور آفاق کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے۔" ثریا نیچی نظروں سے بولی۔ "اور ہم دونوں بہت پریشان ہیں کیونکہ طارق صاحب بہت خطرناک غصے والے آدمی ہیں۔ آپ بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہوں گے اور اس وقت وہ ۔۔۔ غصے میں اتنے پاگل ہو رہے ہیں کہ کسی کو جان سے بھی مار سکتے ہیں۔" وہ ایک مرتبہ پھر کچھ دیر کے لیے رکی اس کے بعد جبران کی طرف دیکھ کر بولی۔ "ہم چاہتے ہیں کہ جب طارق صاحب گھر میں داخل ہوں تو آپ یہاں موجود ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ہم میں سے کسی کے مقابلے میں انہیں بہتر طور پر سنبھال سکتے ہیں اور انہیں سمجھا سکتے ہیں۔" اس نے جبران کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "پلیز جبران صاحب!" وہ ملتجی انداز میں بولی۔

"گھبراؤ نہیں۔" جبران نے تسلی دی۔ "اور مجھے شروع سے ساری بات بتاؤ۔ ممکن ہے حالات اتنے پریشان کن نہ ہوں جتنا تم انہیں خیال کر رہی ہو۔ طارق کسے قتل کریں گے اور کیوں؟ اور جس بات کے سلسلے میں تم پریشان ہو تمہیں کیسے معلوم کہ طارق اس سے واقف ہو گئے ہیں؟"

"ثریا آپ کو بتانا بھول گئی۔" آفاق نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ "طارق نے جزیرۂ فردوس سے ثریا کو فون کیا تھا۔ وہ فون پر بہت غصے میں معلوم ہوتا تھا، بہت بگڑا سا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ اپنے طیارے میں مسلسل پرواز کرتے ہوئے واپس آ رہا ہے اور پھر ہمیں دیکھ لے گا۔ اب کسی بھی لمحے وہ یہاں پہنچ سکتا ہے۔"

"معلوم نہیں جبران صاحب ایسا کیوں ہوتا ہے۔" ثریا نے آہستہ سے کہا۔ "ہم کسی سے ملتے ہیں اور پھر ہمارے لیے ہر چیز کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو دنیا میں سب سے خوش نصیب خیال کرنے لگتے ہیں لیکن پھر اچانک۔۔۔ ۔۔۔" وہ کہتے کہتے رکی، ایک گہری سانس لی۔ "اور پھر اچانک" وہ اسی لہجے میں دوبارہ بولی۔ "کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ہر چیز بالکل اسی طرح رہتی ہے مگر ہماری دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ ہمارے لیے ان چیزوں میں زندگی کی کوئی حرارت

کوئی جاذبیت باقی نہیں رہتی۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی۔
کچھ دیر سوچتی رہی پھر کہا۔ "جیسا کہ آفاق نے ابھی بتایا" طارق صاحب نے مجھے جزیرۂ فردوس سے فون کیا تھا، ان کا فون پاکر میں اتنی خوفزدہ ہوگئی کہ میرے ہوش وحواس بیکار ہوگئے، دماغ نے سوچنا چھوڑ دیا۔ پھر سہہ پہر تک کہیں جاکر اتنا ہوش آیا کہ نگار سے کہہ کر آپ کو فون کرادوں۔ جس انداز اور جس لب و لہجے میں وہ فون پر بات کر رہے تھے اس سے مجھے یقین ہے کہ انہیں میرے اور آفاق کے تعلقات کے بارے میں معلوم ہوگیا ہے وہ طلاق کی بات بھی کر رہے تھے اور فنکار پروڈکشنز کو ختم کرنے کی بھی۔"

"آپ دونوں کو اس کا احساس تو ہونا چاہیے تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ صورتِ حال پیش آکر رہے گی۔" نگار نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے پہلے ہی آپ کو خبردار کردیا تھا باجی!"

"شاید ہم دونوں کچھ بے پروائی کر بیٹھے نتیجے میں طارق صاحب کو کسی نہ کسی طرح معلوم ہوگیا۔" ثریا نے نگار کی بات نظرانداز کرکے جبران سے کہا۔

"سچ یہ ہے جبران صاحب کہ میں نے یا ثریا نے دانستہ ایک دوسرے کو پرچانے یا رجھانے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی۔ یہ اسی طرح کی باتوں میں سے ہے جو بس خود بخود ہو جاتی ہیں۔" آفاق نے کہا اور پھر قدرے رک کر بولا۔ "ہر شخص ثریا سے محبت کرتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہزاروں مرد اس کے عشق میں مبتلا ہوں گے یا رہے ہوں گے۔ میں تو بہت قریب تھا کب تک بچ سکتا تھا۔"

آفاق بہت وجیہہ اور خوبصورت نوجوان تھا۔ پھر دل پھینک بھی تھا۔ اس کے بارے میں کبھی کسی کے ساتھ کبھی کسی کے ساتھ مختلف افواہیں اڑتی رہتی تھیں۔ جبران نے کسی قدر ناگواری کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ اسے یقین تھا کہ آفاق نے ضرور ثریا کو بھی اپنے دام میں پھنسانے کی باقاعدہ کوشش کی ہوگی۔ ثریا جو حقیقت میں بہت ڈری ہوئی اور پریشان معلوم ہوتی تھی اب رونے لگی تھی۔ وہ سچ مچ بہت خوفزدہ ہو رہی تھی۔ جبران نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

آفاق کسی کام سے اپنی جگہ سے اٹھا تو قدرے لنگڑا رہا تھا۔ جبران کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ پاکر اس نے خود ہی کہا۔ "چلتے چلتے پیر اچانک مڑ جانے کی وجہ سے موچ آگئی ہے۔"

جبران نے محسوس کیا کہ اندرونی طور پر آفاق بھی جیسے کسی جذباتی دباؤ میں ہے مگر بظاہر وہ پرسکون نظر آنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ "مجھے امید ہے۔" اس نے کہا۔ "کہ طارق غصے کو تھوک کر ٹھنڈے دل و دماغ سے اس معاملہ پر بات کرے گا۔ اس وقت کوئی بھی اسکینڈل ہم سب کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا۔ ٹی وی کارپوریشن سے ہمارے تین ڈرامے ٹی وی پر قسط وار پیش کرنے کی بات ہو رہی ہے۔ لاکھوں روپے کا معاہدہ ہمارے ہاتھ آسکتا ہے۔"

"یہ بات تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھی۔" جبران نے قدرے ناگواری سے جواب دیا۔ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر رک گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اپنے تمام ہی خیالات و محسوسات کو زبان پر لانا مفید نہیں ہوتا۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ثریا کو اپنی کوتاہی کا احساس آفاق سے زیادہ ہے۔ "آپ کا مطلب ہے کہ آفاق کو یہ بات اپنے بہترین دوست کی بیوی کے عشق میں مبتلا ہونے سے پہلے سوچنا چاہیے تھی۔" وہ بول اٹھی۔ "لیکن غلطی ان کی نہیں میری ہے۔ ان کی محبت تو میرے دل میں نہ جانے کب سے موجود تھی مگر اس کا احساس مجھے اب ہوا، ورنہ میں طارق سے شادی ہی نہ کرتی اور مجھے یہ اعتراف کرنے میں بھی کوئی باک نہیں کہ دوسری بہت سی بے وقوف عورتوں کی طرح جو آفاق کو چاہتی ہیں، میں بھی اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئی۔"

اس نے آفاق کی طرف دیکھا لیکن وہ نگاہیں چرا کر دوسری جانب گھوم گیا۔ جبران جانتا تھا کہ ثریا ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ اس وقت ملک میں آفاق سے بہتر کوئی دوسرا ڈراما نویس نہیں۔ اس کا قلم کہانی، مکالموں اور منظرناموں پر یکساں حاوی تھا لیکن وہ مزاجاً بڑا رومانی اور بھنورے کی طرح ہرجائی تھا۔ جبران نے اخبارات کے فلمی کالموں میں اس کے رومانی اسکینڈلوں کے بارے میں بہت پڑھا تھا۔ اس سلسلے میں اس پر اپنے رقیبوں کی جانب سے کئی مقدمات بھی چل چکے تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ان تمام باتوں کے باوجود ڈراما نویس کی حیثیت سے آفاق کی شہرت اور مانگ پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔

ثریا بڑے سنجیدہ اور مضبوط لہجے میں آفاق سے مخاطب ہوئی۔ "جو ہونا تھا وہ ہوچکا آفاق! اب ہم دونوں اس کانٹوں بھرے راستے پر قدم رکھ چکے ہیں۔ انجام کچھ بھی ہو لیکن . . . لیکن میں اب بھی یہی چاہتی ہوں کہ طارق صاحب کا سامنا کرنے سے قبل مجھے موت آجائے۔ مجھے ان کے بے پناہ غصے سے خوف آتا ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ثریا نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ ایک لمحے کے لیے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کا چہرہ سفید

پڑ گیا ہو، لیکن فون پر دوسری جانب سے اُبھرنے والی آواز غالباً وہ نہیں تھی جس کا اسے خطرہ تھا۔ اس کے تاثرات سے فوراً ہی اطمینان ظاہر ہونے لگا۔

"جی ہاں، وہ یہاں موجود ہیں۔" اس نے ریسیور پر جواب دیا۔ "میں انہیں ریسیور دے رہی ہوں۔" اور اس نے جبران کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

جبران نے ریسیور تھام لیا، کان سے لگایا۔ "کون ریاض! ہاں، میں سُن رہا ہوں۔" وہ بولا، اور کچھ دیر تک دوسری طرف سے کی جانے والی گفتگو سنتا رہا۔ "اوہ خدا... کیا تمہیں یقین ہے... ٹھیک ہے... میں اسے بتا دوں گا۔" اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ وہ آفاق اور ثریا کی طرف گھوما۔

"اب تمہیں طارق کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔" وہ بھاری آواز میں بولا۔ "اس کا طیارہ دولت آباد سے تقریباً پچاس میل شمال میں کھیتوں کے درمیان گر گیا۔ وہ یہاں تک زندہ نہیں پہنچ سکا۔"

ثریا کے چہرے سے یوں لگا جیسے اس کے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ "اوہ پروردگار! یہ کیا ہوا؟" بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔

نگار، جو خود بھی یہ خبر سن کر کچھ کم پریشان نہیں ہوئی تھی، جلدی سے اپنی بڑی بہن کو سنبھالنے کے لیے آگے بڑھی۔ ثریا کے قدم جیسے ڈگمگا رہے تھے۔ جسم میں کپکپاہٹ لگتی تھی۔ وہ گرا ہی چاہتی تھی کہ نگار نے اسے پکڑ لیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے سہارا دیتی ہوئی صوفے کی طرف لے گئی۔ ثریا اب نمایاں طور پر کانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے انتہائی خوف کا تاثر جھلک رہا تھا۔

"کبھی کبھی حقیقت کو بغیر کسی لاگ لپیٹ کے جوں کا توں بیان کر دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔" جبران نے سوچا پھر بولا۔ "طارق کا طیارہ منشی گنج کی غلہ منڈی کے قریب گرا ہے۔" اس نے بتایا۔ "وہ اپنے جہاز میں اکیلا تھا مگر اس کی موت اس حادثے کی وجہ سے واقع نہیں ہوئی۔ کسی نے اسے قتل کیا ہے۔ پیچھے سے اس کے سر میں گولی ماری ہے۔ لیکن جہاز میں کوئی ریوالور نہیں ملا اور نہ ہی کوئی دوسرا مسافر موجود تھا۔"

آفاق بھی یہ خبر سن کر زرد پڑ گیا تھا۔ وہ بڑبڑایا۔ "ہم ایک دوسرے کے بہت قریبی دوست تھے۔ مجھے اس خبر پر یقین نہیں آ رہا ہے۔ اگر طارق کو قتل کیا گیا ہے اور وہ مر چکا تھا تو ایک مُردہ انسان طیارہ کس طرح اڑا سکتا ہے؟"

"بلاشبہ نہیں اڑا سکتا۔" جبران نے جواب دیا۔ چند لمحے ٹھہر کر وہ ثریا سے مخاطب ہوا۔ "ثریا! مجھے اس اندوہناک حادثے پر دلی افسوس ہے۔ انسپکٹر ریاض نے مجھے فوراً پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچنے کے لیے کہا ہے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس سے رخصت ہوتے ہوئے میں نے اسے بتایا تھا کہ میں تمہارے گھر جا رہا ہوں۔ اب تم سب لوگ یہیں ٹھہرو۔ انسپکٹر ریاض سے حالات معلوم کرنے کے بعد میں تمہیں فون کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ ریاض تم دونوں سے سوالات کرنا چاہے گا۔ خاص طور سے اس صورت میں کہ یہ محض حادثہ نہیں قتل کی واردات ہے۔"

جبران کمرے سے باہر نکلا تو نگار بھی اس کے ساتھ تھی۔ اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو۔

"کیا بات ہے نگار؟" جبران نے پوچھا۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ عجلت میں ہیں اور میں بلاوجہ یہ بھی نہیں چاہتی کہ آپ کو تاخیر ہو لیکن مجھے آپ سے ایک ضروری بات کہنا ہے۔"

"یہ بات پھر بعد میں نہیں ہو سکتی؟" جبران نے پوچھا۔

"نہیں۔ اگر میں اسے ضروری خیال نہ کرتی تو اس وقت آپ سے ذکر ہی نہ کرتی۔"

"اچھی بات ہے، کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"یہاں نہیں۔ میرے کمرے میں چلیں۔"

وہ جبران کو اپنے کمرے میں لے گئی۔ جو پہلے کمرے کے مقابلے میں قدرے چھوٹا مگر ضرورت کی ہر چیز سے آراستہ تھا۔ جبران ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور متوقع انداز میں نگار کی طرف دیکھا۔

"مجھے آپ کو پہلے بتانے کا موقع نہیں ملا۔" نگار کچھ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "لیکن حقیقت یہ ہے کہ طارق بھائی کی زندگی گزشتہ ایک سال سے خطرے میں تھی۔ انھوں نے اس بارے میں ثریا باجی یا آفاق صاحب سے کبھی کوئی بات نہیں کی لیکن وہ مجھ پر اعتماد کرتے تھے اور ایسی بہت سی باتیں بتا دیتے تھے جن کا ذکر وہ دوسروں سے کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔"

"رکو نہیں، بولے جاؤ۔" جبران نے کہا۔

"طارق بھائی کا ایک چھوٹا بھائی بھی ہے پرویز۔" نگار نے بتایا۔ "وہ آرمی میں تھا۔ پچھلی مرتبہ جب ہمارے پڑوسی ملک نے بغیر اعلانِ جنگ کے ہم پر حملہ کیا تھا اور اس کے نتیجے میں جو لڑائی شروع ہوئی تھی تو پرویز اس جنگ میں شدید زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے سر پر خطرناک چوٹیں اور زخم آئے تھے۔ بعد میں وہ صحت یاب تو ہو گیا مگر ذہنی طور پر نارمل نہیں رہا۔ فوجی ہسپتال میں برسوں اس کا نفسیاتی علاج ہوتا رہا مگر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ یہاں تک

کہ اسے فوج سے ریٹائر کر دیا گیا۔ طارق بھائی نے اس کے لیے ایک چھوٹا سا خوب صورت مکان خریدا، اسے جملہ ضروریاتِ زندگی سے آراستہ کیا اور ایک ملازم کے ساتھ اس کے قیام و طعام کا بندوبست کر دیا۔ وہ اس کا تمام خرچ اُٹھاتے تھے۔ اس کا برابر علاج بھی کرا رہے تھے لیکن پرویز کی دماغی کیفیت کم و بیش وہ ہی ہے۔ اسے آتشیں ہتھیاروں سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے۔ اس کا نشانہ بھی بہترین ہے۔ اپنے فوجی کیریئر میں وہ کئی انعامات جیت چکا ہے۔"

"بہت خوب۔" جبران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "طارق کو اپنے بھائی سے بہت محبت ہوگی؟"

"بہت زیادہ۔" نگار نے جواب دیا۔ "لیکن پرویز ان سے شدید نفرت کرتا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"وہ ہمیشہ سے طارق بھائی سے جلتا اور حسد کرتا رہا ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ طارق بھائی کی والدہ دونوں بھائیوں میں بڑے بیٹے کو زیادہ چاہتی تھیں۔ گذشتہ سال طارق بھائی اپنے گروپ کے ساتھ برطانیہ اور امریکہ کا دورہ کرنے گئے تھے۔ وہاں انھوں نے بہت کامیابی حاصل کی۔ ان کا ایک ڈرامہ امریکن ٹی وی پر بھی پیش کیا گیا۔ اس ڈرامے کو پیش کرنے کے انتظامات ہو رہے تھے کہ یہاں ان کی والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا۔ انھوں نے بہت کوشش کی مگر تدفین کے وقت نہیں پہنچ سکے، بعد میں آئے۔ انھوں نے تفصیل سے بتایا بھی کہ امریکہ میں ان کی مصروفیات کیا تھیں اور وہ کیوں وقت پر نہیں آسکے۔ مگر پرویز کے بیمار ذہن میں کوئی بات نہیں آتی۔ وہ طارق بھائی کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے۔" نگار چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی جیسے مزید کچھ کہنے کے لیے اپنے خیالات کو یکجا کر رہی ہو۔ "دراصل پرویز اس قابل نہیں کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے۔" وہ پھر بولی۔ "اسے کسی دماغی امراض کے ہسپتال میں ہونا چاہیے۔ وہ اکثر اپنے آپ سے باتیں کرتا رہتا ہے اور بیشتر معاملات میں اس کا طرزِ عمل ایک عام انسان جیسا نہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ہی کی بات ہے کہ ایک رات اس نے طارق بھائی پر ریوالور تان لیا تھا۔ وہ انھیں جان سے مارنے کی دھمکی دے رہا تھا اور یقیناً مار بھی دیتا لیکن ثریا باجی نے کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔"

جبران نے کچھ سوچتے ہوئے نگار کی طرف دیکھا۔ "میں تمھارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔" وہ بولا۔ "لیکن انسپکٹر ریاض کی معلومات یہ ہیں کہ طارق طیارے میں اکیلا تھا اور طیارہ کسی نامعلوم وجہ سے زمین پر آگرا۔ اگر طیارے میں کوئی اور ہوتا تو زمین پر گرنے کے بعد اس کا بچنا بھی مشکل تھا۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟" نگار نے اعتراض کیا۔ "ابھی آپ کو اس حادثے کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ہیں۔ آپ کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ زمین پر گرنے کے بعد طیارے کو کس قدر نقصان پہنچا ہے۔ وہ بالکل تباہ ہو گیا ہے یا کچھ باقی ہے۔ عین ممکن ہے کہ زمین پر گرتے ہوئے اس کی ٹکر شدید نہ ہو اور طیارے میں کوئی اور سوار تھا تو اسے بھی زیادہ چوٹیں نہ آئی ہوں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ٹکر زیادہ شدید نہیں تھی اور پرویز طیارے میں موجود تھا تو وہ نیچے آنے کے بعد چپ چاپ رخصت ہو سکتا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" جبران کھڑا ہو گیا۔ "میں انسپکٹر ریاض سے اس پہلو پر بھی بات کروں گا۔ اس دوران میرا مشورہ ہے کہ تم اندر اپنی باجی کے پاس جاؤ۔ اس وقت آفاق سے زیادہ تم ثریا کو تسکین پہنچا سکتی ہو۔ پرویز کو بھی فون کر دینا۔ تم نے ابھی جو کچھ مجھے بتایا ہے، اس کے پیش نظر مجھے یقین ہے کہ ریاض اس سے بھی کچھ سوالات کرنا چاہے گا۔ اسے فون کر کے طارق کی موت کے بارے میں بتانا اور اس سے کہنا کہ وہ جلد از جلد یہاں پہنچنے کی کوشش کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پولیس تم لوگوں کے علاوہ اس سے بھی طارق کے قتل کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہے۔"

جبران اپنی ٹویوٹا کار میں کسی عجلت کے بغیر نارمل رفتار سے پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا ذہن موجودہ حالات کے بارے میں سوچنے اور ہر پہلو سے ان کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک انوکھا خیال اُبھرا، ابتدا میں کچھ مبہم سا مگر رفتہ رفتہ واضح اور نمایاں ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک متعین شکل اختیار کرلی "قطعی ممکن ہے"، جبران نے اپنے آپ سے کہا، "کہ اگر ہوشیاری سے کام لیا جائے تو یہ خیال کارگر ثابت ہو۔ اس کے بارے میں ریاض سے گفتگو کرنے کے بعد زیادہ یقین سے کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔" ابھی تو ایک اعتبار سے وہ اس حادثے کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا اور جب تک ریاض کی زبانی پورے حالات نہ معلوم ہوجائیں، کوئی یقینی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد جبران، انسپکٹر ریاض کے آفس میں میز کے بالمقابل ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ ریاض نے اسے منشی گنج پولیس سے موصول ہونے والی رپورٹ سنائی۔

"ابھی تک ہم صرف اتنا جانتے ہیں۔" اس نے کہا۔ "طارق جمیل، مشہور اسٹیج ڈائریکٹر جو کہ اپنا خصوصی پرائیویٹ طیارہ خود ہی اُڑا رہا تھا، منشی گنج کے قریب کھیتوں میں گر گیا۔ وہ جہاز میں بالکل اکیلا تھا اور کسی نے اس کے سر کے پچھلے حصّے میں گولی ماردی ہے۔ جہاز کی اچھی طرح تلاشی لی گئی مگر کوئی ریوالور برآمد نہیں ہوا اور نہ ہی کسی دوسرے مسافر کی موجودگی کا کوئی سراغ یا نشان مل سکا۔"

"تمھیں جو حالات بھی معلوم ہیں۔" جبران نے پوچھا۔ "کیا ان کے پیشِ نظر یہ ممکن ہے کہ کوئی اور شخص بھی طیارے میں ہو لیکن کسی نہ کسی طرح نظر آئے بغیر، بچ نکلا ہو اور اب دولت آباد پہنچ گیا ہو؟" اس نے ریاض کو نگار کے خیال کے بارے میں بتایا۔

"کیا بات کر رہے ہو جبران؟" ریاض نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "پرویز اگر اس جہاز میں تھا تو وہ کس طرح صحیح سلامت زمین پر پہنچا اور اتنے مختصر وقت میں کیسے وہ دولت آباد پہنچا۔ ظاہر ہے وہ پچاس ساٹھ میل کا فاصلہ پیدل طے نہیں کرسکتا۔ اسے پہلے آٹھ دس میل دور منشی گنج کے ریلوے اسٹیشن جانا ہوگا اور منشی گنج اتنا چھوٹا اسٹیشن ہے کہ وہاں صرف دو یا تین پسنجر ٹرینیں ٹھہرتی ہیں اور کوئی ٹرین دس گیارہ بجے دن سے قبل نہیں ملتی۔ ٹرین کے علاوہ دوسری کسی سواری کا ملنا امرِ محال ہے اور مل بھی جائے تو اس کا لوگوں کی نظروں میں آنا لازمی ہے۔ پھر بھی ہم پرویز سے اس بارے میں سوالات ضرور کریں گے۔"

"تمھارا خیال ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے۔" جبران نے سر ہلایا۔ "سوائے اس صورت میں کہ قاتل جو کوئی بھی ہو اس نے پہلے سے واپسی کی سواری کا بندوبست کرلیا ہو۔"

"اس کے علاوہ۔" ریاض نے کہا۔ "تمھیں معلوم ہے کہ صبح کس قدر دُھند تھی۔ یہ دُھند رات بھر رہی ہے۔ خاص طور سے دیہاتی علاقوں میں۔ اور اس دُھند میں وہ احمق طارق طیارہ اڑا رہا تھا۔ جب کہ یہاں دولت آباد کے بین الاقوامی ایئرپورٹ پر صبح دس بجے تک کسی طیارے کو اڑنے کی اجازت دی گئی، نہ اترنے کی۔"

"تم یہ بھول رہے ہو کہ طارق جزیرۂ فردوس سے آرہا تھا۔" جبران نے جواب دیا۔ "جو کہ یہاں سے جنوب میں کم سے کم ڈھائی سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں کے موسمی حالات دولت آباد سے مختلف ہیں۔ یقینی بات ہے کہ جب وہ وہاں سے روانہ ہوا ہوگا تو موسم ٹھیک اور مطلع صاف ہوگا۔ غور کرنے کی بات یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ اگر وہ جزیرۂ فردوس سے آرہا تھا جو کہ جنوب میں ہے تو دولت آباد کے شمال میں کیسے پہنچ گیا؟"

"اوہ.. میں تمھیں بتانا بھول گیا کہ ہماری اطلاعات کے مطابق وہ روانہ بیشک جزیرۂ فردوس سے ہوا تھا مگر وہاں سے وہ سیّد نگر گیا تھا اور سیّد نگر سے یہاں آرہا تھا مگر سوال یہ ہے کہ وہ سیّد نگر کیوں گیا تھا؟"

"تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ سیّد نگر گیا تھا؟" جبران نے چونک کر پوچھا۔

"یہ معلوم ہونے کے بعد کہ لاش طارق جمیل ڈائریکٹر کی ہے میں نے جزیرہ فردوس میں اس کے منیجر محمد یعقوب سے رابطہ قائم کیا تھا۔" ریاض نے جواب دیا۔ "اور یعقوب نے بتایا کہ طارق صاحب کا پروگرام سیّد نگر ہوتے ہوئے دولت آباد پہنچنے کا تھا۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ طارق، سیّد نگر کیوں جانا چاہتا تھا؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ جانتا ضرور ہے۔" ریاض بولا۔ "مگر اس نے مجھے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اسے اس بارے میں کچھ علم نہیں۔"

"ممکن ہے ثریا، آفاق وغیرہ اس بارے میں کچھ بتا سکیں۔"

"میرا ارادہ ان سے اس بارے میں بھی سوال کرنے کا ہے۔" ریاض نے کہا۔ "لیکن تم نے جو حالات مجھے بتائے ہیں، ان کی روشنی میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص آفاق، وہ واحد آدمی ہے جسے طارق کی موت سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہ

دولت آباد میں موجود ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ طارق کو قتل نہیں کرسکتا تھا۔ یوں طارق ایک ایسا آدمی تھا جس کے بہت سے دُشمن ہوسکتے ہیں۔ خاص طور سے اس کے اپنے حلقے میں۔ میرا مطلب اسٹیج کی دنیا سے ہے۔ پھر تمہارے بقول اس کے اپنے چھوٹے بھائی پرویز سے تعلقات بھی ٹھیک نہیں تھے۔ کیا تمھیں واضح طور پر اندازہ ہے کہ طارق کی موت آفاق کے لیے کس حد تک مفید ثابت ہوسکتی ہے؟"

"طارق کے مرنے سے اس کا سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے۔" جبران نے جواب دیا۔ "پہلی بات تو یہ کہ اسے فن کار پروڈکشنز اور اس ادارے کی جملہ جائداد و بنک بیلنس پر مکمل کنٹرول حاصل ہوجائے گا۔ اس ضمن میں اگر کوئی انشورنس پالیسی ہوگی تو وہ بھی اس کے قبضہ میں آجائے گی۔ اور پھر ثریا بلا شرکتِ غیرے اسے مل جائے گی جو بذاتِ خود کسی بڑی جائداد یا بینک بیلنس سے کم نہیں ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ریاض نے تائید کی۔ "ثریا کی مارکیٹ ویلیو آج کل بہت زیادہ ہے۔ وہ ایک بڑی اسٹار ہے اور لاکھوں کما کر دے سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہی ہوا کہ آفاق کے پاس طارق کو راستے سے ہٹانے کے لیے بڑے قوی محرکات موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی قتل کا مقصد بن سکتا ہے اور دونوں یکجا ہوں تو اور بھی زیادہ۔"

"ہاں۔ لیکن ہمیں یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔" جبران بولا۔ "کہ جس وقت طارق کا جہاز منشی گنج کے قرب و جوار میں گرا تو آفاق ثریا کے ساتھ اس کے گھر میں موجود تھا۔"

"مجھے کیا بتا رہے ہو۔" ریاض نے مُنہ بنایا۔ "کیا میں خود یہ بات نہیں جانتا۔"

جبران نے جیب سے سگریٹ کیس نکال کر ایک سگریٹ سلگایا اور پھر ایک گہرا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے بولا۔ "جب میں ہیڈ کوارٹر آرہا تھا تو میرے ذہن میں ایک عجیب خیال ابھرا۔ ہم نے اس کیس پر ابھی تک جتنی بھی گفتگو کی ہے۔ اس کی روشنی میں میرا آئیڈیا پاگل پن ہی لگتا ہے مگر کیا کروں، میں اسے اپنے ذہن سے نہیں نکال سکتا۔ تم تعاون کرو تو اس پر بہ آسانی عمل کیا جاسکتا ہے۔"

وہ کچھ دیر تک سرگوشیوں میں ریاض سے باتیں کرتا رہا۔ ریاض بڑی توجہ سے سن رہا تھا اور اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات نمایاں ہوتے جارہے تھے۔ جب جبران خاموش ہوا تو ریاض انتہائی حیران و ششدر نظر آرہا تھا۔

"خدا تم سے سمجھے جبران!" بے اختیار اس کے مُنہ سے نکلا۔ "تم یا تو پاگل ہو یا پھر کسی انتہائی جینئس کے آس پاس کی کوئی چیز۔ اس طرح کی باتیں صرف تمہارے دماغ میں ہی آسکتی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے جو کچھ تم نے سوچا ہے اس کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ ٹھیک ہے، میں تم سے اسی طرح تعاون کرنے کے لیے آمادہ ہوں جس طرح تم چاہتے ہو۔ شروع سے لے کر آخر تک۔ مگر یہ سمجھ لو کہ اگر تمہارا خیال غلط نکلا تو تم جیل میں ہوگے اور میں ہیڈ کوارٹر سے باہر فٹ پاتھ پر جوتیاں چٹخاتا پھر رہا ہوں گا۔"

"میں ہر چیلنج کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔" جبران نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اور اب تم ثریا کے بنگلے پر فون کر کے ان سب کو فوری طور پر ہیڈ کوارٹر پہنچنے کی ہدایت کرسکتے ہو۔"

⭘

نصف گھنٹے کے اندر وہ سب پولیس ہیڈ کوارٹر میں انسپکٹر ریاض کے آفس سے ملحقہ کمرے میں جمع ہوچکے تھے۔ جب سے محکمۂ پولیس کا جملہ اسٹاف ہیڈ کوارٹر کی نئی عمارت میں منتقل ہوا تھا۔ ریاض کا آفس دوسری سے پانچویں منزل پر آگیا تھا مگر خودکار لفٹ اور رواں سیڑھیوں کی وجہ سے کسی کو بھی پانچویں منزل تک آنا جانا کھلتا نہیں تھا۔ ان جمع ہونے والوں میں پرویز، طارق کا چھوٹا بھائی بھی موجود تھا اور کچھ اضطراب آمیز انداز میں نگار سے سرگوشیوں میں باتیں کر رہا تھا۔ اس کی مشابہت طارق سے اتنی نمایاں تھی کہ جس نے طارق کو دیکھا ہو وہ بغیر کسی تعارف کے اسے پہچان سکتا تھا۔ ثریا اور آفاق غور سے جبران اور انسپکٹر ریاض کی طرف دیکھ رہے تھے۔

گفتگو کی ابتدا ریاض نے کی۔ وہ نرم لہجے میں ثریا سے مخاطب ہوا۔ "مسز طارق میں بتا نہیں سکتا کہ اس المناک حادثے پر مجھے کس قدر افسوس ہے۔ میں نے کئی ڈراموں میں آپ کو اسٹیج پر کام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں آپ کے فن کا قدردان ہوں۔ آپ سے ملنے کے بارے میں کئی بار سوچا لیکن یہ گمان تک نہیں تھا کہ آپ سے پہلی ملاقات ان حالات میں ہوگی۔"

ثریا کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ صدمے اور رنج کے تاثرات اس کے ہر انداز سے ظاہر تھے۔ خود جبران کو بھی توقع نہیں تھی کہ وہ طارق کی موت سے اس درجہ متاثر ہوگی۔

"میں نے باجی کو ایک مسکّن دوا دے دی ہے۔" نگار نے جبران کو بتایا۔ "آپ کے جانے کے بعد ان کی حالت اتنی ابتر ہوگئی تھی کہ میں بیان نہیں کرسکتی۔"

آفاق کا چہرہ پھیکا پڑا ہوا تھا اور اسے اس طرح پسینہ آرہا

تھا جیسے وہ کوئی شدید اذیت برداشت کر رہا ہو۔" طارق کے اور میرے درمیان کئی معاملات میں اختلافِ رائے رہتا تھا۔" وہ بولا۔" اور یہ کوئی غیر متوقع بات نہیں تھی۔ اس کے ساتھ کام کرنا کچھ آسان نہیں تھا۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا تھا جیسے اس کے اندر کوئی شیطان حلول کر گیا ہو۔ لیکن . . ." اس نے اپنے شانے اچکائے۔" لیکن وہ اس المناک موت کا مستحق نہیں تھا۔" وہ بولا "کاش یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا۔"

جبران غور سے آفاق کی باتیں سن رہا تھا اور اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ جیسے ہی وہ خاموش ہوا، پرویز جو کچھ دیر سے مٹھیاں بھینچ بھینچ کر جیسے کچھ ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا ایک دم چیخ کر بولا۔

"اگر تم پولیس والوں کو مجھ سے کچھ سوالات پوچھنا ہیں تو جلدی سے پوچھ کر ختم کرو۔ میں یہاں زیادہ دیر تک بیٹھنا برداشت نہیں کر سکتا۔ نگار نے مجھے یقین دلایا تھا کہ پہلے مجھے فارغ کر دیا جائے گا۔"

اس کی حالت سے ظاہر تھا کہ اسے اپنے اعصاب پر کنٹرول حاصل نہیں ہے اور مزید تاخیر ہوئی تو پتہ نہیں کیا کر بیٹھے۔ جبران اپنی جگہ سے اٹھ کر پرویز کے قریب آیا۔ اس کے شانے پر تسلی آمیز انداز میں ہاتھ رکھا اور پھر ریاض کی طرف دیکھ کر بولا۔" میرے خیال سے سوالات کا سلسلہ تم اپنے آفس میں شروع کرو اور پہلے پرویز صاحب سے پوچھ لو تو بہتر ہے۔"

ریاض نے باقی افراد کی جانب دیکھا۔" جبران کا مشورہ درست ہے۔ آپ لوگ کچھ دیر انتظار کی زحمت گوارا کر لیں تو میں پرویز صاحب سے بات کر لوں۔" اس نے کہا۔

کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ریاض اُٹھ کر اپنے آفس میں چلا گیا۔ جبران اپنے ساتھ پرویز کو لے کر اس کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوا۔ ریاض نے اپنی کرسی سنبھال لی۔ جبران اور پرویز ساتھ ساتھ میز کے بالمقابل بیٹھ گئے۔

"تم میرے مقابلے میں ان لوگوں سے زیادہ واقف ہو جبران!" ریاض بولا۔" اس لیے بہتر ہوگا تم سوالات شروع کرو۔ میں ضرورت سمجھوں گا تو خود بھی ایک آدھ سوال کر لوں گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" جبران نے سر ہلایا۔

پرویز بالکل کرسی کے کنارے پر بیٹھا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے کرسی کے ہتھے پکڑ رکھے تھے۔ ماتھے پر شکنیں تھیں اور ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔

جبران نے اس کی طرف دیکھا اور دوستانہ انداز میں مسکرایا۔ "پرویز۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔" مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے بڑے بھائی کو پسند نہیں کرتے تھے اور ایک مرتبہ اسے جان سے مارنے کی دھمکی بھی دے چکے تھے۔ لیکن شاید یہ بات دُرست نہیں ہے، کیوں؟"

"جی نہیں۔ آپ نے بالکل درست سُنا ہے۔" پرویز نے تیز انداز سے جواب دیا۔" میں بلاشبہ طارق کو پسند نہیں کرتا تھا اور میرے پاس اس کی معقول وجہ تھی۔ اس نے کبھی مجھے اپنا بھائی نہیں سمجھا اور نہ ہی کبھی بھائیوں کی طرح برتاؤ کیا۔ وہ مجھے پاگل قرار دینے پر تُلا ہوا تھا۔ بس جو ڈاکٹر کہتے تھے ان کی ہاں میں ہاں ملاتا تھا۔ اس نے کبھی میری بات سننے اور سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔"

"کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔" جبران نے کچھ حیرت ظاہر کی۔

"میں اپنے مرض سے بہت پہلے صحت یاب ہو چکا تھا۔" پرویز نے بتایا۔" لیکن طارق کو اصرار تھا کہ میں علاج جاری رکھوں۔ میں مہینوں سے بالکل ٹھیک ہوں۔ اس سے بار بار کہتا کہ مجھے کوئی بیماری نہیں ہے لیکن میری بات پر توجہ دینے کے بجائے وہ اس پر یقین کرتا تھا جو ڈاکٹر لوگ اسے بتاتے تھے۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں؟ اور صرف یہ ہی ایک وجہ نہیں تھی . . ." وہ اپنی بات نامکمل چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

جبران دیکھ رہا تھا کہ پرویز بہت جوش میں ہے۔ اس پر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہے جسے وہ ضبط کرنے کی پوری کوشش کر رہا ہے۔

"دیکھو پرویز۔" جبران نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مبالغہ آرائی سے کام لینے کی کوشش مت کرو۔ میں اور انسپکٹر ریاض تمہاری زبان سے صرف حقائق سُننا چاہتے ہیں، خواہ وہ کچھ بھی ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ تمھیں اس سنگین صورتِ حال کا اندازہ ہوگا جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ تمہارے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

پرویز نے آنکھیں بند کر لیں اور چند لمحوں کے بعد دوبارہ کھولیں تو وہ آبگوں نظر آ رہی تھیں۔" وہ اسی کا مستحق تھا۔" اس نے نسبتاً آہستہ لہجے میں کہا۔" لیکن اسے میں نے قتل نہیں کیا۔ وہ والدہ کو بیمار چھوڑ کر امریکہ چلا گیا اور جب ان کا انتقال ہو گیا تو اس نے ان کی تدفین میں آنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ تار دے دیا کہ میں بہت مصروف ہوں۔" آخری فقرہ پر پہنچتے پہنچتے اس کی آواز کپکپا گئی اور وہ خاموش ہو گیا۔

"کبھی کبھی آدمی ایسی مجبوریوں میں پھنس جاتا ہے۔" جبران نے کہا۔" کہ وہ دلی خواہش رکھنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتا۔ میں جس حد تک طارق کو جانتا تھا۔ اس کے مطابق مجھے یقین ہے کہ اس کے لیے آنا ممکن ہوتا تو وہ ضرور آتا۔" لیکن اس نے محسوس

کیا کہ اس کی باتوں کا پرویز پر کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے تو اس نے سوالات کا موضوع بدل دیا۔

"گذشتہ چوبیس گھنٹوں میں تم کہاں تھے پرویز؟" اس نے سوال کیا۔

"اگر آپ لوگوں کا خیال ہے کہ طارق کے قتل میں میرا کوئی ہاتھ ہے تو آپ دونوں غلطی پر ہیں۔ میں اسے ثابت کر سکتا ہوں۔"

"کس طرح؟" جبران نے پوچھا۔

اب پرویز نسبتاً کچھ آرام سے اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے باری باری اپنی عجیب نظروں سے ریاض اور جبران کی طرف دیکھا۔ "مجھے آج صبح ہی ڈاکٹر جاوید اختر کے نفسیاتی ہسپتال سے چھٹی ملی ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے وہاں علاج کی خاطر رکھا گیا تھا اور یہ احمقانہ خیال طارق کا تھا۔ میں گزشتہ ایک ماہ سے اسی ہسپتال میں تھا۔ آپ کسی نفسیاتی ہسپتال میں رہے ہوں یا ان لوگوں کا طریق کار جانتے ہوں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہاں داخل ہونے کے بعد کوئی فرد اپنی مرضی سے باہر نہیں آ سکتا۔ ہسپتال کا صرف ایک ہی دروازہ ہے اور اس سے باہر قدم نکالنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے پاس بے شمار رپورٹیں اور ڈاکٹری سرٹیفکیٹس ہوں جن میں آپ کو ان کے خیال کے مطابق، صحت مند قرار دیا گیا ہو۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ جب میرا بھائی کسی اور کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا تو میں اس کے آس پاس کہیں بھی موجود نہیں ہو سکتا تھا۔"

"اچھی بات ہے پرویز۔" جبران نے کہا۔ "جو کچھ تم نے بتایا ہے اسے بڑی آسانی سے چیک کیا جا سکتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ریاض کی طرف دیکھا۔ "کیا تم اس سے کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو؟" اس نے کہا۔

"نہیں۔ تم نے تقریباً ہر پہلو سے سوالات کر لیے ہیں۔" ریاض نے جواب دیا۔ "میں ابھی ہسپتال سے چیک کیے لیتا ہوں۔" وہ پرویز سے مخاطب ہوا۔ "تمہارا پتہ کیا ہے؟"

"میں اے چار سو اٹھارہ بلاک ڈی ناظم کالونی میں رہتا ہوں۔" پرویز نے جواب دیا۔

ریاض نے انٹرکام کا بٹن دبا کر اپنے ایک ماتحت کو ہدایات دیں۔ "ڈاکٹر جاوید اختر کے نفسیاتی ہسپتال کو فون کرو۔" اس نے کہا۔ "اور معلوم کرو کہ پرویز نام کا کوئی نوجوان جو کہ اے چار سو اٹھارہ بلاک ڈی ناظم کالونی میں رہتا ہے، کیا وہاں زیرِ علاج رہا ہے؟ اگر رہا ہے تو وہ کب ہسپتال میں داخل کیا گیا اور کب اسے وہاں سے چھٹی ملی؟"

تقریباً پانچ منٹ کے بعد ایک کانسٹیبل ہاتھ میں کوئی کاغذ لیے ہوئے آفس میں داخل ہوا اور وہ کاغذ ریاض کو دے دیا۔ "میں نے جاوید اختر نفسیاتی ہسپتال سے معلوم کیا۔" اس نے بتایا۔ "وہ لوگ کہتے ہیں کہ پرویز وہاں واقعی زیرِ علاج تھا۔ اسے پہلی فروری کو ہسپتال میں داخل کیا گیا اور آج سہ پہر تین بجے اسے گھر جانے کی اجازت دی گئی۔"

"اچھی بات ہے پرویز۔" ریاض نے کہا۔ "تم جا سکتے ہو۔" اس نے آنے والے کانسٹیبل کی طرف دیکھا۔ "تم پرویز صاحب کو پولیس ٹرانسپورٹ میں ان کے گھر چھوڑ آؤ۔" اس نے کہا۔ "اور باہر جاتے ہوئے باقی لوگوں سے جو اس کمرے میں بیٹھے ہیں، اندر آنے کے لیے کہہ دو۔"

پرویز کچھ کہے بغیر خاموشی سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد نگار، ثریا اور آفاق اندر داخل ہوئے۔ ریاض خاصا فکرمند تھا۔ اب جو کام در پیش تھا، وہ بہت نازک اور مشکل تھا۔ اگر جبران کا اندازہ درست نہ نکلا تو اس کے لیے کافی الجھنیں پیدا ہو سکتی تھیں۔ وہ پہلے ہی جبران سے ہمدردی کرنے کے سلسلے میں اپنے ساتھیوں کی باتیں سنتا رہتا تھا۔

جبران بڑی توجہ سے آفاق کو دیکھ رہا تھا۔ جب وہ سب لوگ اپنی اپنی نشست پر بیٹھ گئے تو اس نے بڑے سرسری لہجے میں کہا۔ "آفاق تم مجھے اپنا دوست کہتے اور سمجھتے رہے ہو اور ماضی میں بارہا تم نے مجھ پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج بھی تم اسی اعتماد سے کام لو اور اگر تم طارق کے اتنے ہی قریبی دوست اور ساتھی تھے جیسا کہ دعویٰ کرتے ہو تو تمہیں ڈرنے اور خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے لیکن یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ جب تک طارق کے قاتل کا پتہ نہیں چل جاتا، تم میں سے ہر فرد شبہہ کی زد میں آ سکتا ہے۔"

"میں اور خوف زدہ؟" آفاق نے جواب دیا۔ "مجھے کسی سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس کے لہجے میں غصے کی جھلک تھی۔ "رہا اعتماد کا سوال۔" اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تو تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ کیا میں جھوٹ اور سچ معلوم کرنے والے آلے پر بیٹھ کر اپنا امتحان دوں؟"

جبران ایک لمحے کے لیے جھجکا۔ اس کے ذہن میں اب بھی اپنے اندازے کی درستگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ شبہہ موجود تھا لیکن اس حد تک آگے بڑھنے کے بعد اب پیچھے قدم ہٹانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ "نہیں۔" اس نے سر ہلایا۔ "میں تم سے کسی ایسی مشکل بات کے لیے نہیں کہوں گا۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم اس کمرے کی سامنے والی دیوار تک میرے ساتھ چلو۔ اور چلنے سے پہلے اپنی قمیص اور بنیان اتار دو۔"

آفاق نے کچھ دیر حیرت سے جبران کی طرف دیکھا، ایک لمحہ سوچا پھر شانے اُچکاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ "جیسی تمہاری مرضی۔" وہ بولا۔ "ظاہر ہے اتنی سی بات سے مجھے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

اس اظہارِ اطمینان کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ اس نے پہلے اپنا کوٹ، پھر قمیص اور بنیان اُتار کر کرسی پر رکھ دی۔ اس کے سڈول صحت مند جسم پر کسی قسم کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا اور تب۔ دفعتاً جبران نے کمرے کی تمام بتیاں بجھا دیں اور ایک جانب رکھا ہوا ایک عجیب قسم کا لیمپ روشن کر دیا۔ یہ لیمپ اس کی درخواست پر پہلے ہی سے لا کر آفس میں رکھ دیا گیا تھا۔ جبران نے آفاق کا ہاتھ پکڑ کر اسے لیمپ کی شعاعوں کے سامنے کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے ایک گہری سانس لی اور انسپکٹر ریاض کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا۔" وہ بولا اور پھر آفاق کی طرف دیکھا۔ "بیٹھ جاؤ۔ تمھیں ایک سخت مرحلے کا سامنا ہے۔ اب جو کہانی میں تمھیں سُنانے والا ہوں وہ بڑی حد تک نامکمل اور اندازوں پر مبنی ہے اس لیے تمھیں اس کی خانہ پُری کرنا ہو گی۔"

"ہمیں اور زیادہ ذہنی اذیت میں مبتلا نہ کریں جبران صاحب!" ثریا نے کہا۔ "ہم پہلے ہی سے بہت کچھ برداشت کر رہے ہیں۔"

"میں معذرت خواہ ہوں۔" جبران نے جواب دیا۔ "مگر یہ اذیت ناگزیر ہے۔" وہ ایک بار پھر آفاق سے مخاطب ہوا۔ "کیا تم بتاؤ گے آفاق کہ تم نے طارق کو کب اور کیسے قتل کیا؟" جب کوئی جواب نہیں ملا اور آفاق مکمل سکوت کے عالم میں اسے گھورتا رہا تو جبران نے تیز لہجے میں کہا۔ "اچھی بات ہے۔ تب پھر میں تمھیں بتاتا ہوں۔"

"جبران صاحب۔" ثریا چلّا پڑی۔ "شاید آپ پاگل ہو گئے ہیں یا پھر آپ کو معلوم نہیں کہ جب یہ حادثہ ہوا تو آفاق یہاں دولت آباد میں موجود تھے۔"

"اپنی بات جاری رکھو جبران!" ریاض بولا۔ "ان لوگوں کو پوری وضاحت سے بتاؤ۔"

"آفاق تم ہمیشہ اپنے بارے میں اخباری شہ سرخیاں دیکھ کر خوش ہوتے رہے ہو۔" جبران نے کہا۔ "پبلسٹی تمھیں اب بھی خوب ملے گی مگر شاید پہلی مرتبہ تم اس سے خوش نہیں ہو گے۔" آفاق نے زور سے اپنے سر کو جھٹکا۔ "مثال کے طور پر تم نے نیشنل اسپورٹس میگزین کو اپنے شوقیہ کھیلوں کے بارے میں ایک فیچر ریکارڈ کرایا تھا۔" جبران نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اور پیراشوٹ کے ذریعے کودنے میں اپنی مہارت کا اعلان کیا تھا۔ یہ فیچر بڑی بڑی تصویروں کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ اس موقع پر میرے ذہن میں اس کی یاد تازہ ہوئے بغیر نہ رہی اور اسی کی بنیاد پر میں نے یہ سوچا کہ ممکن ہے تم طارق کے طیارے سے بھی اس کے گرنے سے پہلے ہی پیراشوٹ کی مدد سے کود پڑے ہو۔"

آفاق کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بڑی کوشش سے خود کو روکے ہوئے ہے۔ "میں جانتا ہوں کہ تم ہر معاملے میں اپنی ٹانگ اڑانے کے عادی ہو۔" وہ جبران سے بولا۔ "اور بڑی چالاکی کے ساتھ۔ مگر اس وقت میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ۔۔"

"مگر کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے تمہارا جسم اس لیمپ کی روشنی میں دیکھنا ضروری تھا۔" جبران نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اور وہ بھی جلد سے جلد۔ ورنہ جسم پر آئے ہوئے نشانات غائب ہو سکتے تھے۔ عام روشنی میں تمہاری جلد بالکل بے داغ نظر آئے گی لیکن اس لیمپ کی یہ خوبی ہے کہ اس کی روشنی میں گھنٹوں پہلے جسم کی کھال پر بندھی ہوئی کسی بندش کے نشانات بھی اس طرح دکھائی دیتے ہیں جیسے انھیں پینٹ کر دیا گیا ہو۔"

آفاق ایک سگریٹ سُلگانے لگا۔ اس کے چہرے پر آئے ہوئے استہزائیہ تاثرات غائب ہو گئے تھے۔ "میں بڑی دلچسپی سے سُن رہا ہوں۔" وہ کش لگاتے ہوئے بولا۔ "کیا ابھی کچھ اور بھی باقی ہے؟"

"تب تمھیں یہ جان کر اور زیادہ دلچسپی پیدا ہو گی کہ پیراشوٹ کے تسموں کے نشانات تمہارے سینے، کندھے اور کمر پر ایک کراس کی صورت میں صاف نظر آ رہے ہیں۔ میں اس پیراشوٹ کا ذکر کر رہا ہوں جس کی مدد سے تم طارق کو قتل کرنے کے بعد اس طیارے سے کُودے تھے۔"

ثریا کا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ "مگر یہ یہاں موجود تھے۔" وہ آہستہ آواز سے بولی۔ "میرے ساتھ، میرے کمرے میں اور یہ اس وقت سے کم سے کم دو گھنٹے پہلے کی بات ہے جب آپ نے مجھے حادثے کے بارے میں بتایا تھا۔ میں یہ بات قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں۔"

"میں جانتا ہوں۔" جبران نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مگر شاید تم نہیں جانتیں کہ آفاق بہت ہی ذہین و چالاک جواری ہے اور آج کی رات یہ بڑے اونچے پیمانے کا جُوا کھیل رہا ہے۔ اس جوئے میں اس کے شریکِ کار کی بے شمار دولت اور اس کی حسین بیوی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ اسے ایسی چال چلنا تھی جو کم سے کم اس کی دانست میں الٹی نہ پڑے۔ جب یہ آج تم سے ملنے آیا تو یہ محض تمہاری محبت اور چاہت ہی نہیں تھی بلکہ یہ

جائے واردات سے اپنی عدم موجودگی کا ایک بہترین عذر تراش رہا تھا۔"

اب آفاق اپنا ضبط کھو چکا تھا۔ وہ پھٹ پڑا اور بڑی تیزی سے گندی اور عریاں گالیاں دیتا چلا گیا۔

جبران کا بیان اسی سابقہ انداز میں جاری رہا۔ "تم سیّد نگر سے طارق کے ساتھ اس کے طیارہ میں سوار ہوئے۔ روانگی سے قبل ہی تم نے اس کی باتوں سے اندازہ کر لیا ہوگا کہ تمھیں کس معاملے میں جواب دہی کرنا ہے اور تم نے اپنا مکمل پلان بھی بنا لیا تھا۔ اسی کے تحت تم نے روانہ ہوتے ہوئے اپنی ہلکی پھلکی اسپورٹ ماڈل پیراشوٹ ساتھ لے لی۔ تم نے اپنے ذہن میں زمین پر اترنے کی جگہ پہلے سے متعیّن کر لی تھی اور غالباً اپنے کسی آدمی کو کار میں پہلے سے روانہ کر دیا تھا کہ وہ اس مقام کے آس پاس موجود رہے۔ اور جب وہ مقام آیا تو تم نے طارق کو شوٹ کیا اور پیراشوٹ باندھ کر کود پڑے۔ میں نے تمھیں لنگڑا کر چلتے ہوئے دیکھا ہے۔ بہت ممکن ہے تمھارے پیر میں موچ اسی وجہ سے آئی ہو۔"

"آپ میری بات کیوں نہیں سُن رہے ہیں۔" ثریا نے پھر کہا۔ "آفاق یہاں تھے جبران صاحب!"

مگر ایسا لگ رہا تھا کہ جبران ہی نہیں، کوئی بھی اس کی بات پر توجہ نہیں دے رہا ہے۔ جبران نے خود بھی اپنی جیب سے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔ "یہ ہے کُل داستان۔" وہ بولا۔ "ممکن ہے میں اپنے اندازے میں ایک آدھ جگہ غلطی پر ہوں۔"

"ناممکن ہے۔" ریاض نے کہا۔ "پیراشوٹ کے تسموں کے نشانات الٹرا وائلٹ شعاعوں میں بالکل واضح تھے۔"

مگر جیسے جبران نے اس کی بات ہی نہ سنی ہو۔ "مثال کے طور پر۔" اس نے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ طارق کے پاس کس قسم کا طیارہ تھا لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ ہلکی قسم کا جدید اسپورٹ پلین ہوگا، جسے کم و بیش ہر جگہ آسانی سے اُتارا جا سکتا ہے اور جس کا پیٹرول ٹینک اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس میں آٹھ دس گھنٹے تک مسلسل پرواز کے لیے پیٹرول بھرا جا سکتا ہے۔ طارق یقیناً جزیرۂ فردوس سے ٹنکی بھروا کر چلا ہوگا۔ سیّد نگر تک پہنچنے میں اسے کم و بیش تین گھنٹے صرف ہوئے ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سید نگر سے روانگی کے وقت طیارے کی ٹنکی میں اندازاً چھ سات گھنٹے تک پرواز کے قابل پیٹرول موجود ہوگا۔"

کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہر شخص، یہاں تک کہ ثریا بھی اب پوری توجہ سے جبران کی باتیں سن رہی تھی۔ آفاق ٹکٹکی باندھے جبران کو دیکھ رہا تھا اور اس کے تاثرات سے حیرت کے ساتھ ہی قدرے خوف کا اظہار بھی ہو رہا تھا۔

"تم۔" جبران نے ہاتھ اُٹھا کر آفاق کی طرف اشارہ کیا۔ "طارق کو قتل کر کے اپنی مقرر کردہ جگہ پر طیارے سے کود گئے اور جیسا کہ میں نے کہا، عین ممکن ہے کہ وہاں آس پاس تمھارا کوئی آدمی کار لیے موجود ہو، اس کی تلاش میں تمھارا زیادہ وقت ضائع نہیں ہوا ہوگا۔ پندرہ بیس منٹ کے اندر تم نے اسے تلاش کر لیا۔ کار میں بیٹھے اور ایک گھنٹے سوا گھنٹے میں دولت آباد پہنچ گئے۔ اس کے علاوہ تم نے کوئی اور ذریعہ یہاں پہنچنے کا اختیار کیا ہو تو تم اس کی وضاحت خود ہی کر سکتے ہو اور بالفرض تم نے ایسا نہیں کیا تب بھی پولیس کی تحقیقات سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ریوالور تم نے غالباً دہیں کہیں پھینک دیا اور شاید اپنی پیراشوٹ بھی۔ یہ چیزیں بھی پولیس کی تحقیقات سے برآمد کی جا سکتی ہیں۔ دولت آباد پہنچنے کے بعد تم سیدھے ثریا کے پاس گئے تاکہ جائے واردات سے اپنی عدم موجودگی کے سلسلے میں اسے اپنا گواہ بنا سکو۔ لیکن اس دوران جب کہ تم یہ سب کچھ کر رہے تھے، وہ شخص جسے تم نے قتل کیا تھا مسلسل فضا میں پرواز کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ٹنکی کا پیٹرول ختم ہو گیا اور طیارہ زمین پر گر پڑا۔ بظاہر فوری طور پر ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ پائلٹ کے بغیر طیارہ کس طرح پرواز کر سکتا ہے۔ لیکن ترقی کے اس دور میں آٹومیٹک کنٹرول کوئی نئی اور اچنبھے کی بات نہیں رہی۔ طارق کے طیارے

میں بھی پرواز کا خودکار نظام موجود تھا جسے آن کرنے کے بعد جہاز کسی مدد کے بغیر ایک مقررہ رفتار پر اڑ سکتا ہے۔ خودکار سسٹم میں اس کی سمت کا تعین بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ پائلٹ کی مرضی پر ہوتا ہے کہ وہ اسے کسی خاص سمت کی جانب موڑ دے یا اس طرح فکس کر دے کہ وہ ایک بڑے دائرے کی صورت میں پرواز کرتا رہے۔"

"بہت خوب" ریاض کے مُنہ سے نکلا۔ معلوم نہیں، وہ جبران کو داد دے رہا تھا یا قاتل کو۔

"تم جانتے تھے کہ دو باتوں میں سے ایک بات کا ہونا لازمی ہے۔" جبران کی بات جاری تھی۔ "یا تو طیارہ خودکار طریقہ پر زیادہ دیر تک نہیں اڑ سکے گا اور کنٹرول سے باہر ہو کر تباہ ہو جائے گا یا پھر وہ اس وقت تک پرواز کرتا رہے گا جب تک اس کی ٹنکی میں پیٹرول باقی رہے گا اور پھر زمین پر گر پڑے گا۔ پہلی صورت میں جہاز کے ساتھ لاش بھی تباہ ہو جائے گی اور دوسری صورت میں تمھیں کم سے کم پانچ چھ گھنٹے کی مہلت حاصل رہے گی کہ تم طیارے کے گرنے سے پہلے کسی کو اپنا گواہ بنا سکو۔"

"گویا میں ایک ذہین اور جینیس آدمی ٹھہرا۔" آفاق نے بڑی زندہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اس کے چہرے سے وہ خوف کے تاثرات غائب ہو گئے تھے۔ "فرض کرو، تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو مسٹر شرلاک ہومز! لیکن ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم اپنے ان تمام اندازوں کو ثابت کس طرح کر سکو گے؟"

"کئی ثبوت دیے جا سکتے ہیں۔" جبران نے اطمینان سے جواب دیا۔ "جس میں سب سے اہم تمھاری رسٹ واچ ہے۔ تم فن کار پروڈکشنز کے یونٹ کے ساتھ جزیرۂ فردوس میں تھے اور غالباً طارق سے کچھ ہی دیر پہلے سیدنگر پہنچے تھے۔ سب جانتے ہیں کہ جزیرۂ فردوس میں اسٹینڈرڈ ٹائم ہمارے وقت کے مقابلے میں ایک گھنٹہ پیچھے ہے۔ میں نے آج سہ پہر تمھاری رسٹ واچ دیکھی تھی۔ وہ مقامی وقت سے ایک گھنٹہ پیچھے تھی۔ تم بھول گئے کہ اس وقت تم جزیرۂ فردوس میں نہیں، دولت آباد میں ہو اور تم نے اپنی گھڑی یہاں کے وقت کے مطابق درست نہیں کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس وقت بھی ایک گھنٹہ قبل کا وقت دے رہی ہوگی۔" آفاق کا چہرہ ایکدم بجھ کر رہ گیا۔ جبران انسپکٹر ریاض کی طرف گھوما۔ "تمھیں مزید ثبوت کی ضرورت ہو تو مجھے اُمید ہے کہ طارق کے جہاز میں تمھیں آفاق کی انگلیوں کے تازہ نشانات مل جائیں گے۔" اس نے بڑے یقین سے کہا اور پھر دوبارہ آفاق کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تمھیں معلوم نہیں تھا مسٹر آفاق لیکن جس وقت تم اپنی کار میں بیٹھے خوش و خرم دولت آباد کی طرف آ رہے تھے طارق کی لاش موت کے سائے کی طرح آسمان پر تمھارا تعاقب کر رہی تھی کہ تم نے جو کچھ کیا ہے اس کی پاداش سے بچ کر نہ نکل سکو۔"

ایک آخری کش لے کر جبران نے اپنا سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔

آفاق آہستہ آہستہ اپنی کرسی سے اُٹھا پھر اس عورت کی طرف بڑھا جس سے وہ محبت کرتا تھا۔ "ثریا" وہ بھاری آواز میں بولا۔ "میں... کیا تم...؟" اس نے ثریا کے چہرے اور نظروں کے تاثرات دیکھے۔ بولتے بولتے رُک گیا۔ ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "حضرات" اس نے کہا۔ "جو کچھ ہوا اس پر مجھے انتہائی افسوس ہے۔ مگر اس مرتبہ میں کوئی پیراشوٹ استعمال نہیں کروں گا۔"

جبران کچھ فاصلے پر تھا۔ ریاض، آفاق کا عندیہ بھانپ کر لپکا لیکن اس سے پہلے کہ وہ آفاق تک پہنچ سکے۔ ملک کا یہ مشہور ڈرامہ نویس کھڑکی کی طرف بڑھا اور ایک ہی جست میں باہر تاریکی میں کود گیا۔ چند ثانیوں کے بعد ایک ہلکے سے دھماکے کی آواز سنائی دی اور کوئی عورت زور زور سے چیخنے لگی۔

نامور ڈرامہ نگار نے اپنے آخری کھیل کا ڈراپ سین کر دیا اور ہمیشہ کی طرح وہ اس مرتبہ بھی کامیاب رہا۔ کمرے میں ایک بوجھل سا سکوت طاری تھا۔ نگار خوف زدہ نظروں سے کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی اور ثریا جو آفاق کو کھڑکی سے کودتے دیکھ کر اپنی جگہ سے ایک دم کھڑی ہو گئی تھی، یوں ساکت تھی جیسے پتھر کا کوئی مجسمہ ہو۔

ریاض ایک بلند آواز کے ساتھ بھاگتا ہوا باہر نکل گیا مگر اس کی آواز شاید ہی کسی نے سُنی ہو۔ جبران نے ایک گہری سانس لی۔ وہ اس وقت بے حد افسردگی محسوس کر رہا تھا۔ اس کا اندازہ سو فیصد درست نکلا تھا مگر اسے بھی یہ توقع نہیں تھی کہ اس کے نتیجے میں آفاق خود اپنی زندگی ختم کر دے گا۔ جو کچھ ہونا تھا چند ثانیوں میں ہو گیا۔ اس نے گھوم کر ثریا کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کیے سسکیاں لے رہی تھی۔ نگار کے سفید ہونٹ بھی کپکپا رہے تھے۔ جبران نے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

"تم بتا سکتی ہو نگار کہ طارق جزیرۂ فردوس کیوں گیا تھا جہاں تک مجھے معلوم ہے فن کار پروڈکشنز اپنے مشہور ڈرامے جن میں ثریا مرکزی کردار ادا کرتی ہے وہاں پیش کر چکا تھا اور واپس آنے سے قبل ایک آخری ڈرامہ دکھایا جا رہا تھا جس میں ثریا کا کردار نہیں تھا۔ طارق اور وہ دولت آباد واپس آ چکے تھے۔ صرف آفاق وہاں نگرانی کے لیے رہ گیا تھا پھر طارق کو دوبارہ وہاں جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟"

"پروڈکشن منیجر نے فون کیا تھا کہ ڈرامے کی کاسٹ کے سلسلے میں کوئی دشواری پیش آ رہی ہے۔" نگار نے جواب دیا۔ "اور دشواری

ایسی ہے کہ خود طارق کا آنا ضروری ہے۔"

"وہاں کس تھیٹر میں ڈرامے دکھائے جا رہے تھے؟"

"اولمپیا تھیٹر میں۔"

"اور پروڈکشن منیجر کون ہے؟"

"عبدالباری صاحب جنھیں سب انکل باری کہتے ہیں۔" نگار نے بتایا۔ "یہ تمام لوگ پاسبان ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

جبران نے نگار کا شکریہ ادا کیا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا آفس سے نکل گیا۔ دوسرے کمرے کے فون کا ریسیور اٹھاتے ہوئے اس نے ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم پر جزیرۂ فردوس میں پہلے اولمپیا تھیٹر فون کیا۔ اس وقت رات کے دس بج رہے تھے اور توقع یہ تھی کہ انکل باری تھیٹر میں ہوں گے۔ وہ ثریا اور نگار کی موجودگی میں فون کرنا نہیں چاہتا تھا۔

دس منٹ بعد وہ پروڈکشن منیجر سے بات کر رہا تھا۔ جبران نے انکل باری کو طارق کی المناک موت اور طیارے کے حادثے کے بارے میں بتایا۔ انکل باری صاحب نے اپنے افسوس کا اظہار کیا اور پھر بڑی آسانی سے ہر ممکن تعاون کے لیے تیار ہو گئے۔

"وہ کیا پریشانی تھی جس کے لیے آپ نے طارق کو بُلانے کی ضرورت محسوس کی؟" جبران نے سوال کیا۔

"پریشانی کی وجہ ہماری سائڈ ہیروئن نرگس تھی جس نے دفعتاً شراب پینا شروع کر دی اور اپنا رول ادا کرنا اس کے لیے مشکل ہو گیا۔" اس کے بعد انکل باری نے ایک ایسی بات کا انکشاف کیا جس کے بارے میں جبران کو بھی کچھ معلوم نہیں تھا اور یہی وہ نکتہ تھا جسے اس کیس کی گمشدہ کڑی کہا جا سکتا تھا جو ابھی تک جبران کو الجھا رہا تھا۔ انکل باری نے کہا۔

"نرگس کے گزشتہ تین چار ماہ سے آفاق صاحب سے تعلقات تھے۔ مگر پھر بھی آفاق صاحب نے اسے نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ ان کی توجہ کسی دوسری طرف مبذول ہو گئی تھی۔ نرگس کو معلوم تھا کہ آفاق اسے کیوں ٹھکرا رہے ہیں اور اس نے برملا آفاق اور ثریا کے بارے میں کئی ناگفتہ بہ باتیں کہنا شروع کر دیں تھیں۔ اس مرحلہ پر مجھے طارق صاحب کو فون کر کے ساری بات بتانا پڑی۔ جیسے ہی وہ جزیرۂ فردوس پہنچے، آفاق، سیّد نگر روانہ ہو گئے جہاں ان کا گھر ہے۔ طارق صاحب یہاں آئے اور اگرچہ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ نرگس کی تمام ہی باتوں کو سچ نہ سمجھیں کیونکہ وہ مایوسی اور رقابت کے جوش میں بہت سی ایسی باتیں بھی کہتی ہے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ بہرحال طارق صاحب نے نرگس سے بات کی۔ وہ اسے سمجھا سکے یا نہیں۔ یہ تو میں نہیں جانتا مگر وہ دوسرے ہی دن اپنے ذاتی طیارے میں جس میں وہ جزیرۂ فردوس آئے تھے، سیّد نگر روانہ ہو گئے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ نرگس نے کچھ ایسی باتیں کہہ دی ہیں جو طارق صاحب کے لیے ناقابلِ برداشت ہیں اور انھوں نے ان باتوں کو سچ بھی سمجھ لیا ہے۔ میں نے انھیں سیّد نگر جانے سے بھی روکنا چاہا۔ انھیں سمجھایا کہ بالفرض یہ سب کچھ سچ بھی ہو تو بھی اس معاملے سے نمٹنے کا وہ طریقہ نہیں ہے جسے وہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ مگر انھوں نے میری ایک بھی نہ سنی، سیّد نگر چلے گئے اور آخر وہ ہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔"

"کیا طارق نے آپ سے اس بارے میں کوئی مشورہ کیا تھا؟" جبران نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ بلکہ ایک طرح سے انھوں نے میری بات کو ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ نرگس یا کسی اور وجہ سے سیّد نگر نہیں جا رہے ہیں۔ بلکہ انھیں آفاق سے کچھ اور ہی ضروری کام ہے۔"

جبران نے کچھ اور باتوں کے بعد انکل باری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔ اب اسے اس کیس کے بارے میں ہر چیز کا علم ہو گیا تھا۔ ظاہر تھا کہ نرگس نے طارق کو آفاق اور ثریا کے ناجائز تعلقات کے بارے میں بتایا ہو گا اور طارق نے اس کی تمام باتوں پر یقین کر لیا ہو گا پھر انتہائی غصّہ میں ثریا کو فون کیا اور خود آفاق سے نمٹنے کے لیے سیّد نگر روانہ ہو گیا۔ وہ غالباً آفاق کو دولت آباد لا کر ثریا کے سامنے کھڑا کر کے ان کے تعلقات کا بھانڈا پھوڑنا اور پھر اپنے کسی سوچے سمجھے انداز میں ان دونوں سے انتقام لینا چاہتا ہو گا۔ اس لیے ممکن ہے اس نے سیّد نگر میں آفاق سے سوائے اپنے ساتھ چلنے کے اور کوئی بات نہ کی ہو لیکن آفاق جانتا تھا کہ طارق، جزیرۂ فردوس سے آ رہا ہے اور اسے اس کے اور ثریا کے تعلقات کے بارے میں معلوم ہو گیا ہو گا۔ وہ یہ بھی سمجھ رہا ہو گا کہ طارق اسے دولت آباد کیوں لے جانا چاہتا ہے اور اس نے اس سے پہلے کہ طارق کوئی وار کر سکے، خود پہل کرنے اور طارق کو اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا ہو گا۔

جبران واپس گیا، انسپکٹر ریاض کو ان مزید معلومات سے مطلع کیا۔ اب ثریا یا نگار کے وہاں مزید ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور دونوں کو حالات کے تحت آرام و سکون کی ضرورت تھی۔ ان کے بیانات بعد میں بھی لیے جا سکتے تھے، چنانچہ جبران نے ریاض سے انھیں واپس گھر چھوڑنے کی اجازت لی اور ثریا اور نگار کو اپنے ساتھ لے کر ہیڈ کوارٹر سے روانہ ہو گیا۔